Title – ISLAM KA NAZARIYA SIYASI

Author – Sayyed Abul Aala Maudoodi.

Publisher – Daftar Risala Tarjumanul Quraan (Lahore)

Date –
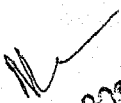
Pages – 32

Subjects –

اسلام کا نظریہ سیاسی

از

سید ابوالاعلیٰ مودودی

لاہور

اسلام کا نظریۂ سیاسی

اسلام کے متعلق یہ فقرہ آپ اکثر سنتے رہتے ہیں کہ "یہ ایک جمہوری نظام ہے" پچھلی صدی کے آخری دور سے اس فقرے کا بار بار اعادہ کیا جا رہا ہے۔ مگر جو لوگ اس کو زبان سے نکالتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ ان میں سے شائد ایک فی ہزار بھی ایسے نہیں ہیں جنہوں نے اس دین کا باقاعدہ مطالعہ کیا ہو، اور یہ سمجھنے کی کوشش کی ہو کہ اسلام میں جمہوریت کس حیثیت سے ہے اور کس نوعیت کی ہے۔ ان میں سے بعض لوگ تو اسلامی نظام جماعت کی چند ظاہری شکلوں کو دیکھ کر جمہوریت کا نام اس پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ اور اکثر ایسے ہیں جن کی ذہنیت کچھ اس طور پر بنی ہے کہ دنیا میں (اور خصوصاً ان کے حکمرانوں میں) جو چیز مقبول عام ہو، اس کو کسی نہ کسی طرح اسلام میں موجود ثابت کر دینا ان کے نزدیک اس مذہب کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ شائد وہ اسلام کو اس یتیم بچے کی طرح سمجھتے ہیں جو ہا کن سے بس اسی طرح بچ سکتا ہے کہ کسی بااثر شخص کی سرپرستی اس کو حاصل ہو جائے۔ یا پھر غالباً ان کا خیال یہ ہے کہ ہماری عزت محض مسلمان ہونے کی حیثیت سے قائم نہیں ہو سکتی، بلکہ صرف اس طرح قائم ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے مسلک میں دنیا کے کسی چلتے ہوئے مسلک کے اصولوں کی جھلک دکھا دیں۔ اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ جب دنیا میں اشتراکیت کا غلغلہ بلند ہوا تو مسلمانوں میں کچھ لوگوں نے پکارنا شروع کیا کہ اشتراکیت تو محض اسلام ہی

کا ایک جدید ایڈیشن ہے۔ اور جب ڈکٹیٹر شپ کا آوازہ اُٹھا تو کچھ دوسرے لوگوں نے اطاعتِ امیر، اطاعتِ امیر کی صدائیں بلند کرنی شروع کر دیں، اور لگے کہنے کہ دیکھو، یہاں سارا نظام جماعت ڈکٹیٹر شپ ہی پر قائم ہے۔ غرض اسلام کا نظریۂ سیاسی اس زمانہ میں ایک چیستاں، ایک چوں چوں کا مربہ بن کر رہ گیا ہے جس میں سے ہر وہ چیز نکال کر دکھا دی جاتی ہے جس کا بازار میں چلن ہو۔ ضرورت ہے کہ باقاعدہ علمی طریقہ سے اس امر کی تحقیق کی جائے کہ فی الواقع اسلام کا سیاسی نظریہ کیا ہے۔ اس طرح نہ صرف اُن پراگندہ خیالیوں کا خاتمہ ہو جائے گا جو ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، اور نہ صرف اُن لوگوں کا منہ بند ہو جائے گا جنہوں نے حال میں علی الاعلان یہ لکھ کر اپنی جہالت کا ثبوت دیا تھا کہ "اسلام سرے سے کوئی سیاسی و تمدنی نظام تجویز ہی نہیں کرتا" بلکہ درحقیقت تاریکیوں میں بھٹکنے والی دنیا کے سامنے ایک ایسی روشنی نمودار ہو جائے گی جس کی وہ سخت حاجتمند ہے، اگرچہ اپنی اس حاجت مندی کا شعور نہیں رکھتی۔

تمام اسلامی نظریات کی اساس سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ اسلام محض چند منتشر خیالات اور منتشر طریقہائے عمل کا مجموعہ نہیں ہے جس میں ادھر اُدھر سے مختلف قسم کی چیزیں لا کر جمع کر دی گئی ہوں، بلکہ یہ ایک باضابطہ نظام ہے جس کی بنیاد چند مضبوط اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ اُس کے بڑے بڑے ارکان سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے جزئیات تک ہر چیز اُس کے بنیادی اصولوں کے ساتھ ایک منطقی ربط رکھتی ہے۔ انسانی زندگی کے تمام مختلف شعبوں کے متعلق اُس نے جتنے قاعدے اور ضابطے مقرر کیے ہیں ان سب کی روح اور ان کا جوہر اس کے اصولِ اوّلیہ ہی سے ماخوذ ہے۔ ان اصولِ اوّلیہ سے پوری اسلامی زندگی اپنی مختلف شاخوں کے ساتھ بالکل اسی طرح نکلتی ہے جس طرح درخت میں آپ دیکھتے ہیں کہ بیج سے جڑیں، اور جڑوں سے تنہ، اور تنے سے شاخیں، اور شاخوں سے پتیاں پھوٹتی ہیں، اور خوب پھیل جانے کے باوجود اس کی ایک ایک پتی اپنی جڑ کے ساتھ مربوط رہتی ہے۔ پس آپ اسلامی زندگی کے جس شعبے کو بھی سمجھنا چاہیں آپ کیلئے ناگزیر

ہے کہ اس کی جڑ کی طرف رجوع کریں، کیونکہ اس کے بغیر آپ اُس کی روح کو نہیں پا سکتے ۔

انبیاء علیہم السلام کا مشن

اسلام کے متعلق یہ بات تو آپ مجملاً جانتے ہی ہیں کہ یہ انبیاء علیہم السلام کا مشن ہے۔ یہ صرف محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا مشن نہیں ہے، بلکہ انسانی تاریخ کے قدیم ترین دور سے جتنے انبیاء بھی خدا کی طرف سے آئے ہیں، اُن سب کا یہی مشن تھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی اجمالی طور پر آپ کو معلوم ہے کہ یہ سب نبی ایک خدا کی خدائی منوانے اور اسی کی عبادت کرانے آئے تھے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس اجمال کا پردہ اُٹھا کر ذرا آپ گہرائی میں اتریں یہ سب کچھ اسی پردے کے نیچے چھپا ہوا تھا۔ بس کی نگاہ ڈال کر اچھی طرح دیکھئے کہ ایک خدا کی خدائی منوانے سے مقصد کیا تھا، اور صرف اسی کی عبادت کرانے کا مطلب کیا تھا؟ اور آخر اس میں ایسی کونسی بات تھی کہ جہاں کسی اللہ کے بندے نے مالکم من الٰہٍ غیرہ کا اعلان کیا اور ساری طاغوتی طاقتیں جھاڑ کا کانٹا بن کر اس کو چمٹ گئیں؟ اگر یہ بات صرف اتنی ہی تھی جتنی آج کل سمجھی جاتی ہے کہ مسجد میں خدائے واحد کے آگے سجدہ کر لو اور پھر باہر نکل کر حکومتِ وقت (جو بھی وقت کی حکومت ہو) کی وفاداری و اطاعت میں لگ جاؤ تو کس کا سر پھرا تھا کہ اتنی سی بات کے لئے خواہ مخواہ اپنی وفادار رعایا کی مذہبی آزادی میں مداخلت کرتا؟ آئیے ہم تحقیق کر کے دیکھیں کہ خدا کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کا اور دنیا کی دوسری طاقتوں کا اصل جھگڑا کس بات پر تھا۔

قرآن میں ایک جگہ نہیں بکثرت مقامات پر یہ بات صاف کر دی گئی ہے کہ کفار و مشرکین جن سے انبیاء کی لڑائی تھی، اللہ کے منکر نہ تھے۔ ان سب کو تسلیم تھا کہ اللہ ہے، اور وہی زمین و آسمان کا خالق، اور خود ان کفار و مشرکین کا خالق بھی ہے۔ کائنات کا سارا انتظام اسی کے اشارے سے ہو رہا ہے۔ وہی پانی برساتا ہے، وہی ہواؤں کو گردش دیتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں سورج اور چاند اور زمین سب کچھ ہیں۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝	ان سے پوچھو کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کس کا ہے؟ بتاؤ
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ	اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے اللہ کا ہے۔ کہو پھر تم غور نہیں کرتے؟

السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ
لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ
شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝

(المومنون - ۵)

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ
اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ .... وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ
مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا ۝
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (العنکبوت - ۶)

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ
اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (الزخرف - ۷)

ان سے پوچھو ساتوں آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب
کون ہے؟ کہینگے اللہ کہو پھر تم اس سے ڈرتے نہیں؟ ان سے
پوچھو وہ کون ہے جسکے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ سب
کو پناہ دیتا ہے مگر کوئی اسکے مقابلہ میں کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟
بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہینگے اللہ کہو پھر تم کس سے ہو کے ٹال دیئے گئے ہو؟
اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ اور کس نے
سورج اور چاند کو اپنا تابع فرمان بنا رکھا ہے؟ وہ ضرور کہینگے کہ خدا نے
پھر آخر یہ کدھر سے بھٹکائے جا رہے ہیں؟ .... اور اگر تم ان سے پوچھو کہ
کس نے آسمان سے پانی اتارا اور کس نے مری ہوئی زمین کو روئیدگی بخشی؟ تو
وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ تم کو کس نے پیدا کیا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ
اللہ نے، پھر آخر یہ کدھر بھٹکائے جا رہے ہیں۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کے ہونے میں، اور اس کے خالق ہونے اور مالک ارض و سما ہونے
میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ لوگ ان باتوں کو خود ہی مانتے تھے، لہٰذا ظاہر ہے کہ انہی باتوں کو منوانے کے لئے تو انبیاء کے
آنے کی ضرورت تھی ہی نہیں۔ اب پوچھئے کہ انبیاء کی آمد کس لئے تھی، اور جھگڑا کس چیز کا تھا؟ قرآن کہتا ہے کہ سارا
جھگڑا اس بات پر تھا کہ انبیاء کہتے تھے، جو تمہارا اور زمین و آسمان کا خالق ہے وہی تمہارا رب اور الٰہ بھی ہے اس کے
سوا کسی کو الٰہ اور رب نہ مانو، مگر دنیا اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہ تھی۔ آئیے ذرا پھر بحث کریں کہ اس جھگڑے کی تہ میں
کیا ہے؟ الٰہ سے کیا مراد ہے؟ رب کسے کہتے ہیں؟ انبیاء کو کیوں اصرار تھا کہ صرف اللہ ہی کو الٰہ اور رب مانو؟ اور دنیا
کیوں اس پر اٹھ کھڑی ہو جاتی تھی؟

اللہ کے معنی آپ سب جانتے ہیں کہ معبود کے ہیں۔ مگر معاف کیجئے گا، معبود کے معنی آپ بھول گئے ہیں معبود کا مادہ عبد ہے۔ عبد بندے اور غلام کو کہتے ہیں۔ عبادت کے معنی محض پوجا کے نہیں ہیں، بلکہ بندہ اور غلام جو زندگی غلامی اور بندگی کی حالت میں بسر کرتا ہے، وہ پوری کی پوری سراسر عبادت ہے۔ خدمت کے لئے کھڑا ہونا، احترام میں ہاتھ باندھنا، اعترافِ بندگی میں سر جھکانا، فرماں برداری میں دوڑ دھوپ اور سعی و جہد کرنا، جس کام کا اشارہ ہوا سے بجا لانا، جو کچھ آقا طلب کرے اُسے پیش کر دینا، اس کی طاقت و جبروت کے آگے ذلت اور عاجزی اختیار کرنا، جو قانون وہ بنائے اس کی اطاعت کرنا، جس کے خلاف وہ حکم دے اس پر چڑھ دوڑنا، جہاں اس کا فرمان ہو سر تک کٹوا دینا، یہ عبادت کا اصلی مفہوم ہے، اور آدمی کا معبود حقیقت میں وہی ہے جس کی عبادت وہ اس طرح سے کرتا ہے۔

اور رب کا مفہوم کیا ہے؟ عربی میں رب کے اصلی معنی پرورش کرنے والے کے ہیں۔ اور چونکہ دُنیا میں پرورش کرنے والے ہی کی اطاعت و فرمانبرداری کی جاتی ہے، لہٰذا رب کے معنی مالک اور آقا کے بھی ہوئے چنانچہ عربی محاورہ میں مال کے مالک کو رب المال، اور صاحبِ خانہ کو رب الدار کہتے ہیں۔ آدمی جس کو اپنا رازق اور اپنا مربی سمجھے، جس سے نوازش اور سرفرازی کی امید رکھے، جس سے عزت اور ترقی اور امن کا متوقع ہو، جس کی نگاہِ لطف کے پھر جانے سے خوف کرے کہ میری زندگی بگڑ جائے گی، جس کو اپنا آقا اور مالک قرار دے اور جس کی فرمانبرداری و اطاعت کرے، وہی اس کا ربّ ہے۔

ان دونوں لفظوں کے معنی پر نگاہ رکھیے اور پھر غور سے دیکھیے۔ انسان کے مقابلہ میں یہ دعویٰ لے کر کون کھڑا ہو سکتا ہے کہ میں تیرا اللہ ہوں، اور میں تیرا رب ہوں، میری بندگی و عبادت کر؟ کیا درخت؟ پتھر؟ دریا؟ جانور؟ سورج؟ چاند؟ تارے؟ کسی میں بھی یہ یارا ہے کہ وہ انسان کے سامنے آ کر یہ دعویٰ پیش کر سکے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ صرف انسان ہی ہے جو انسان کے مقابلہ میں خدائی کا دعویٰ لے کر اُٹھتا ہے اور اُٹھ سکتا ہے۔ خدائی کی ہوس انسان ہی کے سر میں سما سکتی ہے۔ انسان ہی کی حد سے بڑھی ہوئی خواہشِ اقتدار، یا خواہشِ انتفاع

اُسے اس بات پر اُبھارتی ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کا خدا بنے۔ ان سے اپنی بندگی کرائے۔ ان کے سر اپنے آگے جھکوائے۔ ان پر اپنا حکم چلائے۔ ان کو اپنی خواہشات کے حصول کا آلہ بنائے۔ یہ خدا بننے کی لذت ایسی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی لذیذ چیز انسان آج تک دریافت نہیں کر سکا ہے جس کو کچھ طاقت، یا دولت، یا چالاکی و ہوشیاری، یا کسی نوع کا زور حاصل ہے وہ یہی چاہتا ہے کہ اپنے فطری اور جائز حدود سے آگے بڑھے، پھیل جائے اور آس پاس کے انسانوں پر جو اس کے مقابلہ میں ضعیف یا مفلس یا بیوقوف، یا کسی حیثیت سے بھی کمزور ہوں، اپنی خدائی کا سکہ جما دے۔

اس قسم کی ہوسِ خداوندی رکھنے والے لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں، اور دو مختلف راستے اختیار کرتے ہیں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن میں زیادہ جرأت ہوتی ہے، یا جن کے پاس خدائی کے ٹھاٹھ جمانے کے لئے کافی ذرائع ہوتے ہیں، اس لئے وہ براہِ راست اپنی خدائی کا دعوےٰ پیش کر دیتے ہیں۔ مثلاً ایک وہ فرعون تھا جس نے اپنی بادشاہی اور اپنے لشکروں کے بل بوتے پر مصر کے باشندوں سے کہہ دیا کہ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں) اور مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ (میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا اور بھی کوئی الٰہ ہے)۔ جب حضرت موسیٰؑ نے اس کے سامنے اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ پیش کیا اور اس سے کہا کہ تو خود بھی اللہ العالمین کی بندگی اختیار کر، تو اس نے کہا کہ میں تم کو جیل بھیج دینے کی قدرت رکھتا ہوں لہٰذا تم مجھ کو الٰہ تسلیم کرو (لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰـهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّکَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ)۔ اسی طرح ایک وہ بادشاہ تھا جس سے حضرت ابراہیمؑ کی بحث ہوئی تھی۔ قرآن میں اس کا ذکر جن الفاظ کے ساتھ آیا ہے انہیں ذرا غور کے ساتھ پڑھئے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ	تُو نے دیکھا اس شخص کو جس نے ابراہیمؑ سے حجت کی اس بارے میں کہ ابراہیمؑ کا رب کون ہے؟ اور یہ حجت کیوں کی؟ اس لئے کہ اللہ نے اسکو حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب وہ

اُمِیتُ ۔ قَالَ اِبْرَاھِیْمُ فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ ۔۔ (البقرہ - ۳۵)

ہے جسکے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے تو اس نے جواب دیا کہ زندگی اور موت میرے ہاتھ میں ہے ابراہیمؑ نے کہا اچھا اللہ تو سورج کو مشرق کی طرف سے لاتا ہے تو ذرا اسے مغرب کی طرف سے نکال لا ۔ یہ سُن کر وہ کافر ہکا بکا رہ گیا ۔

غور کیجئے! وہ کافر ہکا بکا کیوں رہ گیا؟ اس لئے کہ وہ اللہ کا منکر نہ تھا ۔ وہ اس بات کا قائل تھا کہ کائنات کا فرمانروا اللہ ہی ہے سورج کو وہی نکالتا اور وہی غروب کرتا ہے جھگڑا اس بات میں نہ تھا کہ کائنات کا مالک کون ہے بلکہ اس بات میں تھا کہ انسانوں کا اور خصوصاً ارض بابل کے باشندوں کا مالک کون ہے ۔ وہ اللہ ہونے کا دعوٰے نہیں رکھتا تھا بلکہ اس بات کا دعوٰے رکھتا تھا کہ اس ملک کے باشندوں کا رب میں ہوں اور یہ دعوٰے اس بنا پر تھا کہ حکومت اس کے ہاتھ میں تھی ، لوگوں کی جانوں پر وہ قابض و متصرف تھا ، اپنے آپ میں یہ قدرت پاتا تھا کہ جسے چاہے پھانسی پر لٹکادے اور جس کی چاہے جان بخشی کر دے ۔ یہ سمجھتا تھا کہ میری زبان قانون ہے ، اور میرا حکم ساری رعایا پر چلتا ہے ۔ اس لئے حضرت ابراہیمؑ سے اس کا مطالبہ یہ تھا کہ مجھے رب تسلیم کرو ، میری بندگی اور عبادت کرو ۔ مگر جب حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میں تو اسی کو رب مانوں گا اور اسی کی بندگی و عبادت بھی کروں گا جو زمین و آسمان کا رب ہے ، اور جس کی عبادت یہ سورج کر رہا ہے ، تو وہ حیران رہ گیا ، اور اس لئے حیران رہ گیا کہ ایسے شخص کو کیوں کر قابو میں لاؤں ؟

یہ خدائی ، جس کا دعوٰے فرعون اور نمرود نے کیا تھا کچھ انہی دو آدمیوں تک محدود نہ تھی ۔ دنیا میں ہر جگہ فرمانرواؤں کا یہی دعوٰی تھا اور یہی دعوٰی ہے ۔ ایران میں بادشاہ کے لئے خدا اور خداوند کے الفاظ مستعمل تھے اور ان کے سامنے پورے مراسم عبودیت بجا لائے جاتے تھے ۔ حالانکہ کوئی ایرانی ان کو خدائے خدائیگان (یعنی اللہ) نہیں سمجھتا تھا ، اور نہ وہ خود اس کے مدعی تھے ۔ اسی طرح ہندوستان میں فرمانروا خاندان اپنا نسب دیوتاؤں سے ملاتے تھے ـــــــ چنانچہ سورج بنسی اور چندر بنسی آج تک مشہور ہیں ـــــــ راجہ کو اَن داتا یعنی رازق کہا

جاتا تھا اور اس کے سامنے سجدے کئے جاتے تھے۔ حالانکہ پرمیشور ہونے کا دعویٰ نہ کسی راجہ کو تھا اور نہ یہ جاہی ایسا سمجھتی تھی۔ ایسا ہی حال دنیا کے دوسرے ممالک کا بھی تھا اور آج بھی ہے بعض جگہ فرمانرواؤں کے لئے اللہ اور رب کے ہم معنی الفاظ اب بھی صریحاً بولے جاتے ہیں، مگر جہاں یہ نہیں بولے جاتے وہاں اسپرٹ وہی ہے جو ان الفاظ کے مفہوم میں پوشیدہ ہے، اس نوع کے دعوائے خدائی کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی صاف الفاظ میں اللہ اور رب ہونے ہی کا دعوئے کرے نہیں، وہ سب لوگ جو انسانوں پر اُس اقتدار، اُس فرمانروائی و حکمرانی، اُس آقائی و خداوندی کو قائم کرتے ہیں، جیسے فرعون اور نمرود نے قائم کیا تھا، دراصل وہ اللہ اور رب کے معنی و مفہوم کا دعوئے کرتے ہیں چاہے الفاظ کا دعوئے نہ کریں۔ اور وہ سب لوگ جو ان کی اطاعت و بندگی کرتے ہیں وہ بہرحال ان کے اللہ اور رب ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، چاہے زبان سے یہ الفاظ نہ کہیں۔

غرض ایک قسم تو انسانوں کی وہ ہے جو براہِ راست اپنی الٰہیت اور ربوبیت کا دعویٰ کرتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس کے پاس اتنی طاقت نہیں ہوتی، اتنے ذرائع نہیں ہوتے کہ خود ایسا دعوے لے کر اٹھیں اور اسے منوالیں البتہ چالاکی اور فریب کاری کے ہتھیار ہوتے ہیں جن سے وہ عام انسانوں کے دل و دماغ پر جادو کر سکتے ہیں سو ان ذرائع سے کام لے کر وہ کسی روح، کسی دیوتا، کسی بُت، کسی قبر، کسی ستارے، کسی درخت کو اللہ بنا دیتے ہیں، اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ تمہیں نفع اور ضرر پہنچانے پر قادر ہیں، یہ تمہاری حاجت روائی کر سکتے ہیں، یہ تمہارے ولی اور محافظ و مددگار ہیں۔ ان کو خوش نہ کرو گے تو یہ تمہیں قحط اور بیماریوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر دیں گے انہیں خوش کر کے حاجتیں طلب کرو گے تو یہ تمہاری مدد کو پہنچیں گے۔ مگر انہیں خوش کرنے اور ان کو تمہارے حال پر متوجہ کرنے کے طریقے ہم کو معلوم ہیں۔ ان تک پہنچنے کا ذریعہ ہم ہی بن سکتے ہیں۔ ہماری بزرگی تسلیم کرو، ہمیں خوش کرو اور ہمارے ہاتھ میں اپنی جان مال آبرو سب کچھ دے دو۔ بہت سے بیوقوف انسان اس جال میں پھنس جاتے ہیں، اور یوں جھوٹے خداؤں کی آڑ میں ان پروہتوں اور پجاریوں اور مجاوروں کی خداوندی قائم ہوتی ہے۔

اسی نوع میں کچھ دوسرے لوگ ہیں جو کہانت اور نجوم اور فال گیری اور تعویذ گنڈوں اور منتروں کے وسیلے اختیار

کرتے ہیں کچھ اور لوگ ہیں جو اللہ کی بندگی کا اقرار تو کرتے ہیں، مگر کہتے ہیں کہ تم براہِ راست اللہ تک نہیں پہنچ سکتے، اس کی بارگاہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہم ہیں، عبادت کے مراسم ہمارے ہی واسطے سے ادا ہوں گے، اور تمہاری پیدائش سے لے کر موت تک ہر مذہبی رسم ہمارے ہاتھوں سے انجام پائے گی۔ کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اللہ کی کتاب کے حامل بن جاتے ہیں، عام لوگوں کو اس کے علم سے محروم کر دیتے ہیں، اور خود اپنے زعم میں خدا کی زبان بن کر حلال و حرام کے احکام دینے شروع کر دیتے ہیں۔ یوں ان کی زبان قانون بن جاتی ہے، اور وہ انسانوں کو خدا کے بجائے خود اپنے حکم کا تابع بنا لیتے ہیں۔ یہی اصل ہے اس برہمنیت اور پاپائیت کی جو مختلف ناموں اور مختلف صورتوں سے قدیم ترین زمانہ سے آج تک دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلی ہوئی ہے، اور جس کی بدولت بعض خاندانوں، نسلوں یا طبقوں نے عام انسانوں پر اپنی سیادت کا سکّہ جما رکھا ہے۔

اس نظر سے جب آپ دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا میں فتنہ کی اصل جڑ اور فساد کا اصلی سرچشمہ انسان پر انسان کی خدائی ہے، خواہ وہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ۔ اسی سے خرابی کی ابتدا ہوئی اور اسی سے آج بھی زہر کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو خیر انسان کی فطرت کے سارے راز ہی جانتا ہے۔ مگر اب تو ہزارہا برس کے تجربہ سے خود ہم پر بھی یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو چکی ہے کہ انسان کسی نہ کسی کو الٰہ اور رب مانے بغیر رہ ہی نہیں سکتا، گویا کہ اس کی زندگی محال ہے اگر کوئی اس کا الٰہ اور رب نہ ہو۔ اگر اللہ کو نہ مانے گا، تب بھی اسے الٰہ اور رب سے چھٹکارا نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں بہت سے آلہہ اور ارباب اس کی گردن پر مسلط ہو جائیں گے۔

غور سے دیکھیے۔ کیا روس میں کمیونسٹ پارٹی کی سیاسی مجلس (POLITICAL BUREAU) کے ارکان باشندگان روس کے ارباب و آلہہ نہیں ہیں اور کیا اسٹالین اُن کا رب الارباب نہیں؟ روس کا کونسا گاؤں اور کونسا زرعی فارم ایسا ہے جہاں اس خدائے روسیاں کی تصویر موجود نہیں؟ ابھی پولینڈ کے جس حصہ پر روس نے قبضہ کیا ہے اس میں سوویٹ سسٹم کی بسم اللہ آپ کو معلوم ہے کس طرح ہوئی؟ اسٹالین کی تصویریں ہزاروں کی تعداد میں درآمد کی گئیں، گاؤں گاؤں میں پہنچائی گئیں، تاکہ سب سے پہلے وہ اپنے الٰہ العظیم اور رب کبیر

سے واقف ہو لیں، تب ان کو دین بالشویکی میں داخل کیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ آخر ایک انسان کو یہ اہمیت کیوں؟ کیا وجہ ہے کہ ایک آدمی کو، خواہ وہ جماعت (COMMUNITY) کی نمائندگی ہی کر رہا ہو، کروڑوں انسانوں کے دماغوں اور ان کی روحوں پر اس طرح مسلط کر دیا جائے کہ اس کی شخصیت کا جبروت اور اس کی کبریائی ان کے رگ و ریشہ میں پیوست ہو جائے؟ اسی طریقہ سے تو شخصی اقتدار دنیا میں قائم ہوتا ہے۔ یونہی تو انسان انسانوں کا خدا بنتا ہے۔ یہی تو وہ ڈھنگ ہیں جن سے فرعونیت اور نمرودیت کی اور زاریت و قیصریت کی جڑیں ہر زمانہ میں مستحکم ہوئی ہیں۔

اسی طرح اٹلی کو دیکھئے۔ وہاں فاشسٹ گرانڈ کونسل الٰہوں کا مجمع ہے اور مسولینی ان کا سب سے بڑا الٰہ۔ جرمنی میں نازی پارٹی کے لیڈر آلہہ ہیں اور ہٹلر ان کا الٰہ کبیر۔ انگلستان بھی اپنی ڈیموکریسی کے باوجود بینک آف انگلینڈ کے ڈائرکٹروں اور چند اونچے طبقے کے امراء و مدبرین میں اپنے آلہہ رکھتا ہے۔ امریکہ میں وال اسٹریٹ کے چند مٹھی بھر سرمایہ دار تمام ملک کے ارباب و آلہہ بنے ہوئے ہیں۔

غرض آپ جدھر نظر ڈالیں گے کہیں ایک قوم دوسری قوم کی الٰہ ہے کہیں ایک طبقہ دوسرے طبقوں کا الٰہ ہے۔ کہیں ایک پارٹی نے الٰہیت و ربوبیت کے مقام پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اور کہیں ایک ڈکٹیٹر مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ کی منادی کر رہا ہے۔ انسان کسی ایک جگہ بھی الٰہ کے بغیر نہ رہا۔

پھر انسان پر انسان کی خدائی قائم ہونے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ وہی جو ایک کمینے کم ظرف آدمی کو پولیس کمشنر بنا دینے، یا ایک جاہل تنگ نظر آدمی کو وزیر اعظم بنا دینے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اول تو خدائی کا نشہ ہی کچھ ایسا ہے کہ آدمی اس شراب کو پی کر کبھی اپنے قابو میں رہ نہیں سکتا۔ اور بالفرض اگر وہ قابو میں رہ بھی جائے تو خدائی کے فرائض انجام دینے کے لئے جس علم کی ضرورت ہے، جس محیط اور تمام حقائق پر حاوی نگاہ کی ضرورت ہے، جس حکمت اور عدل اور بے خطا میزان کی ضرورت ہے، اور جس بے لوثی و بے غرضی اور بے نیازی کی حاجت ہے وہ انسان کہاں سے لائے گا؟ یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں انسانوں پر انسانوں کی الٰہیت و ربوبیت قائم ہوئی وہاں انسانی

زندگی میں صحیح توازن کبھی قائم ہی نہ ہوسکا۔ وہاں ظلم، طغیان، ناجائز انتفاع، بے اعتدالی اور ناہمواری نے کسی نہ کسی صورت سے راہ پا ہی لی۔ وہاں انسانی روح اپنی فطری آزادی سے محروم ہوکر ہی رہی۔ وہاں انسان کے دل و دماغ پر اور اُس کی پیدائشی قوتوں اور صلاحیتوں پر ایسی بندشیں عاید ہوکر رہیں جنہوں نے انسانی شخصیت کے نشو و ارتقاء کو روک دیا۔ کس قدر سچ فرمایا اُس صادق و مصدوق علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے :-

قال اللہ عز وجل انی خلقت عبادی	اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو صحیح فطرت پر پیدا کیا تھا، پھر
حنفاء فجاء تھم الشیاطین فاجتالتھم	شیطانوں نے آکر انکو گھیر لیا، انہیں فطرت کی راہ راست سے ہٹا
من دینھم وحرمت علیھم ما احللت	لے گئے، اور جو کچھ میں نے ان کیلئے حلال کیا تھا، ان شیطانوں
لھم ۔ (حدیث قدسی)	نے ان کو اس سے محروم کرکے رکھ دیا۔

جیسا کہ اوپر عرض کرچکا ہوں، یہ ہے وہ چیز جو انسان کے سارے مصائب، اس کی ساری تباہیوں، اس کی تمام محرومیوں کی اصلی جڑ ہے۔ یہ اس کی ترقی کی راہ میں اصلی رکاوٹ ہے۔ یہ وہ روگ ہے جو اس کے اخلاق اور اس کی روحانیت کو، اس کی علمی و فکری قوتوں کو، اس کے تمدن اور اس کی معاشرت کو، اس کی سیاست اور اس کی معیشت کو، اور قصہ مختصر اس کی انسانیت کو تپ دق کی طرح کھا گیا ہے۔ قدیم ترین زمانہ سے کھا رہا ہے اور آج تک کھائے چلا جاتا ہے۔ اس روگ کا علاج بجز اس کے کچھ ہے ہی نہیں کہ انسان سارے ارباب اور تمام الٰہوں کا انکار کرکے صرف اللہ کو اپنا الٰہ اور صرف رب العالمین کو اپنا رب قرار دے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ اس کی نجات کے لئے نہیں ہے، کیونکہ ملحد اور دہریہ بن کر بھی تو وہ الٰہوں اور ارباب سے چھٹکارا نہیں پاسکتا۔

یہی وہ بنیادی اصلاح تھی جو انسانی زندگی میں انبیاء علیہم السلام نے کی۔ وہ در اصل انسان پر انسان کی خدائی تھی جس کو مٹانے کے لئے یہ لوگ آئے۔ ان کا اصلی مشن یہ تھا کہ انسان کو اس ظلم سے۔ ان جھوٹے خداؤں کی بندگی سے، اس طغیان اور ناجائز انتفاع سے نجات دلائیں۔ ان کے آنے کا مقصد یہ تھا کہ جو انسان، انسانیت کی حد سے آگے بڑھ گئے ہیں اُنہیں دھکیل کر پھر اس حد میں واپس پہنچائیں، جو اس حد سے نیچے

گرا دیتے گئے ہیں، اُنہیں ابھار کر اس حد تک اُٹھا لائیں، اور سب کو ایک ایسے عادلانہ نظامِ زندگی کا پابند بنا دیں جس میں کوئی انسان نہ کسی دوسرے انسان کا عبد ہو نہ معبود، بلکہ سب ایک اللہ کے بندے بن جائیں۔ ابتدا سے جتنے نبی دنیا میں آئے ان سب کا ایک ہی پیغام تھا اور وہ یہ تھا کہ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ "لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے"۔ یہی حضرت نوحؑ نے کہا، یہی حضرت ہودؑ نے کہا، یہی حضرت صالحؑ نے کہا، یہی حضرت شعیبؑ نے کہا[1]، اور اسی کا اعلان محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہ:۔

اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ وَّمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا (ص - ۵)

میں تمہیں خبردار کرنے آیا ہوں کوئی الٰہ نہیں ہے بجز اس ایک اللہ کے جو سب پر غالب ہے جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ہر اس چیز کا جو آسمان و زمین کے درمیان ہے۔

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ .... وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِہٖ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (اعراف - ۷)

یقیناً تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو...... اور سورج اور چاند اور تاروں کو سب اس کے حکم کے تابع ہیں خبردار! خلق بھی اسی کی ہے اور حکومت بھی اسی کی۔

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْہُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ (انعام - ۱۳)

وہ ہے اللہ، وہی تمہارا رب ہے اور اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ لہٰذا تم اس کی بندگی کرو۔ اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ (البینہ)

انسانوں کو کوئی حکم نہیں دیا گیا بجز اس کے کہ اللہ کی بندگی کریں، سب کو چھوڑ کر صرف اسی کی اطاعت کریں۔

---

[1] ملاحظہ ہو سورۂ ہود رکوع ۴ - ۵ - ۶ - ۸

تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ (آل عمران - ۷)

آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اور خدائی میں کسی کو اس کا شریک نہ قرار دیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا رب نہ بنالے۔

یہی وہ منادی تھی جس نے انسان کی روح اور اس کی عقل و فکر اور اس کی ذہنی و مادّی قوتوں کو غلامی کی ان بندشوں سے رہا کرایا جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے، اور وہ بوجھ ان پر سے اتارے جن کے نیچے وہ دبے ہوئے تھے۔ یہ انسان کے لئے حقیقی آزادی کا چارٹر تھا محمد رسول اللہ کے اسی کارنامے کے متعلق قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ یعنی یہ نبی ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور ان بندھنوں کو کاٹتا ہے جن میں وہ کسے ہوئے تھے۔

نظریۂ سیاسی کا نقطۂ آغاز انبیاء علیہم السلام نے انسانی زندگی کے لئے جو نظام مرتب کیا اس کا مرکز و محور، اس کی روح اور اس کا جوہر یہی عقیدہ ہے اور اسی پر اسلام کے نظریۂ سیاسی کی بنیاد بھی قائم ہے۔ اسلامی سیاست کا اولین اصول یہ ہے کہ حکم دینے اور قانون بنانے کے اختیارات تمام انسانوں سے فرداً فرداً اور مجتمعاً سلب کر لئے جائیں۔ کسی شخص کا یہ حق تسلیم نہ کیا جائے کہ وہ حکم دے اور دوسرے اس کی اطاعت کریں۔ وہ قانون بنائے اور دوسرے اس کی پابندی کریں۔ یہ اختیار صرف اللہ کو ہے۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ (یوسف - ۵)

حکم سوائے اللہ کے اور کسی کا نہیں اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی صحیح دین ہے۔

يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ؟ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ (آل عمران - ۱۶)

وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے؟ کہہ دو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا

اپنی زبانوں سے یونہی غلط سلط نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے

حَلَالٌ وَّھٰذَا حَرَامٌ (النحل - ۱۵)
اور یہ حرام ۔

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (مائدہ ۶ - ۷)
جو خدا کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی دراصل ظالم ہیں ۔

اس نظریہ کے مطابق حاکمیت (SOVEREIGNTY) صرف خدا کی ہے۔ قانون ساز (LAW-GIVER) صرف خدا ہے۔ کوئی انسان خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، بذاتِ خود حکم دینے اور منع کرنے کا حق دار نہیں۔ نبی خود بھی اللہ ہی کے حکم کا پیرو ہے۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ (انعام ۔۵) "میں تو صرف اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے"۔ عام انسان نبی کی اطاعت پر صرف اسلئے مامور ہیں کہ وہ اپنا حکم نہیں بلکہ خدا کا حکم بیان کرتا ہے ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ (النساء - ۹)
ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسلئے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن (SANCTION) کے تحت اسکی اطاعت کی جائے ۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ (انعام - ۱۰)
یہی وہ لوگ ہیں جنکو ہم نے اپنی کتاب اور حکم (AUTHORITY) سے سرفراز کیا اور نبوت عطا کی ۔

مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَہُ اللّٰہُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ (آل عمران - ۸)
کسی بشر کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اسکو کتاب اور حکم (AUTHORITY) اور نبوت سے سرفراز کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم خدا کے بجائے میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ تم ربانی بنو ۔

پس اسلامی اسٹیٹ کی ابتدائی خصوصیات، جو قرآن کی مذکورۂ بالا تصریحات سے نکلتی ہیں یہ ہیں کہ:-

(۱) کوئی شخص، خاندان، طبقہ، یا گروہ، بلکہ اسٹیٹ کی ساری آبادی ملکر بھی حاکمیت (SOVEREIGNTY) کی مالک نہیں ہے۔ حاکم اصلی صرف خدا ہے، اور باقی سب محض رعیت کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

(۲) قانون سازی کے اختیارات بھی خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہیں۔ سارے مسلمان مل کر بھی نہ اپنے لئے کوئی

قانون بنا سکتے ہیں، اور نہ خدا کے بنائے ہوئے کسی قانون میں ترمیم کر سکتے ہیں۔

(۳) اسلامی اسٹیٹ بہر حال اُس قانون پر قائم ہوگا جو خدا کی طرف سے اسکے نبی نے دیا ہے اور اس اسٹیٹ کو چلانے والی گورنمنٹ صرف اس حال میں اور اس حیثیت سے اطاعت کی مستحق ہوگی کہ وہ خدا کے قانون کو نافذ کرنے والی ہو۔

اسلامی اسٹیٹ کی نوعیت ایک شخص بیک نظر ان خصوصیات کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ یہ جمہوریت (DEMOCRACY) نہیں ہے۔ اس لئے کہ جمہوریت تو نام ہی اُس طرز حکومت کا ہے جس میں ملک کے عام باشندوں کو حاکمیت حاصل ہو، انہی کی رائے سے قوانین بنیں اور انہی کی رائے سے قوانین میں تغیر و تبدل ہو جس قانون کو وہ چاہیں وہ نافذ ہو اور جسے نہ چاہیں وہ کتاب آئین پر سے محو کر دیا جائے۔ یہ بات اسلام میں نہیں ہے لہٰذا اس معنی میں اسے جمہوریت نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے لئے زیادہ صحیح نام "الٰہی حکومت" ہے جس کو انگریزی میں (THEOCRACY) کہتے ہیں۔ مگر یورپ جس تھیاکریسی سے واقف ہے، اسلامی تھیاکریسی اُس سے بالکل مختلف ہے۔ یورپ اُس تھیاکریسی سے واقف ہے جس میں ایک مخصوص مذہبی طبقہ (PRIEST CLASS) خدا کے نام سے خود اپنے بنائے ہوئے قوانین نافذ کرتا ہے[۱]، اور عملاً اپنی خدائی عام باشندوں پر مسلط کر دیتا ہے۔ ایسی حکومت کو تو الٰہی حکومت کے بجائے شیطانی حکومت کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ بخلاف اس کے اسلام جس تھیاکریسی کو پیش کرتا ہے وہ کسی مخصوص مذہبی طبقہ کے ہاتھ میں نہیں ہوتی، بلکہ عام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے، اور یہ عام مسلمان اسے خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت کے مطابق چلاتے ہیں۔ اگر مجھے ایک نئی اصطلاح وضع کرنے کی اجازت دی جائے تو میں اس طرز حکومت کو (THEO-DEMOCRACY) یعنی "الٰہی جمہوری حکومت" کے نام سے موسوم کروں گا۔ کیونکہ اس میں خدا کی

۱؎ عیسائی پاپاؤں اور پادریوں کے پاس مسیح کی چند اخلاقی تعلیمات کے سوا کوئی شریعت سرے سے تھی ہی نہیں۔ لہٰذا وہ اپنی مرضی سے اپنی خواہشات نفس کے مطابق قوانین بناتے تھے اور یہ کہہ کر انہیں نافذ کرتے تھے کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں۔ فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ ۔

حاکمیت اور اس کے اقتدار اعلیٰ (PARAMOUNTCY) کے تحت مسلمانوں کو ایک محدود عمومی حاکمیت (LIMITED POPULAR SOVEREIGNTY) عطا کی گئی ہے۔ اسمیں عاملہ یعنی (EXECUTIVE) مسلمانوں کی رائے سے بنے گی، مسلمان ہی اس کو معزول کرنے کے مختار ہوں گے، سارے انتظامی معاملات، اور تمام وہ مسائل جن کے متعلق خدا کی شریعت میں کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، مسلمانوں کے اجماع ہی سے طے ہوں گے۔ اور الٰہی قانون جہاں تعبیر طلب ہوگا وہاں کوئی مخصوص نسل یا طبقہ نہیں، بلکہ عام مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص اس کی تعبیر کا مستحق ہوگا جس نے اجتہاد کی قابلیت بہم پہنچائی ہو۔ اس لحاظ سے یہ ڈیموکریسی ہے مگر جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں، جہاں خدا اور اس کے رسولؐ کا حکم موجود ہو وہاں مسلمانوں کے کسی امیر کو، کسی لیجسلیچر کو، کسی مجتہد اور عالم دین کو، بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو مل کر بھی اس حکم میں ایک سرمو ترمیم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ تھیا کریسی ہے۔

ایک اعتراض آگے بڑھنے سے پہلے میں اس امر کی تھوڑی سی تشریح کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلام میں ڈیموکریسی پر یہ حدود و قیود کیوں عائد کئے گئے ہیں۔ اور ان حدود و قیود کی نوعیت کیا ہے۔ اعتراض کرنے والا یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ اس طرح تو خدا نے انسانی عقل و روح کی آزادی سلب کر لی، حالانکہ ابھی تم یہ ثابت کر رہے تھے کہ ایک خدا کی الٰہیت انسان کو عقل و فکر اور جسم و جان کی آزادی عطا کرتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قانون سازی کا اختیار اللہ نے اپنے ہاتھ میں انسان کی فطری آزادی سلب کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس کو محفوظ کرنے کیلئے لیا ہے۔ اس کا مقصد انسان کو بے راہ ہونے اور اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنے سے بچانا ہے۔

یہ مغرب کی نام نہاد ڈیموکریسی، جسکے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اسمیں عمومی حاکمیت (POPULAR SOVEREIGNTY) ہوتی ہے، اس کا ذرا تجزیہ تو کر کے دیکھیے۔ جن لوگوں سے مل کر کوئی اسٹیٹ بنتا ہے وہ سب کے سب نہ تو خود قانون بناتے ہیں اور نہ خود اس کو نافذ کرتے ہیں۔ انہیں اپنی حاکمیت چند منتخب لوگوں کے سپرد کرنی پڑتی ہے تاکہ انکی طرف سے وہ قانون بنائیں اور انہیں نافذ کریں۔ اسی غرض سے انتخاب کا ایک نظام مقرر کیا جاتا ہے۔ اس

انتخاب میں زیادہ تر وہ لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو عوام کو اپنی دولت، اپنے علم، اپنی چالاکی، اور اپنے جھوٹے پروپیگنڈا کے زور سے بیوقوف بنا سکتے ہیں۔ پھر یہ خود عوام کے ووٹ ہی سے ان کے الٰہ بن جاتے ہیں۔ عوام کے فائدے کیلئے نہیں بلکہ اپنے شخصی اور طبقاتی فائدے کے لئے قوانین بناتے ہیں، اور اُسی طاقت سے جو عوام نے ان کو دی ہے، ان قوانین کو عوام پر نافذ کرتے ہیں۔ یہی مصیبت امریکہ میں ہے۔ یہی انگلستان میں ہے اور یہی ان سب ممالک میں ہے جن کو آج جمہوریت کی جنّت ہونے کا دعوٰی ہے

پھر اس پہلو کو نظر انداز کر کے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہاں عام لوگوں ہی کی مرضی سے قانون بنتے ہیں، تب بھی تجربہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عام لوگ خود (بھی) اپنے مفاد کو نہیں سمجھ سکتے۔ انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ یہ اپنی زندگی کے اکثر معاملات میں حقیقت کے بعض پہلوؤں کو دیکھتا ہے اور بعض کو نہیں دیکھتا۔ اس کا فیصلہ (JUDGEMENT) عموماً یک طرفہ ہوتا ہے۔ اس پر جذبات اور خواہشات کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ یہ خالص عقلی اور علمی حیثیت سے بے لاگ رائے بہت کم قائم کر سکتا ہے، بلکہ بسا اوقات عقلی و علمی حیثیت سے جو بات اس پر روشن ہو جاتی ہے اس کو بھی یہ جذبات و خواہشات کے مقابلہ میں رد کر دیتا ہے۔ اس کے ثبوت میں بہت سی مثالیں میرے سامنے ہیں مگر طوالت سے بچنے کیلئے میں صرف امریکہ کے قانون منع شراب (PROHIBITION LAW) کی مثال پیش کر دوں گا۔ علمی اور عقلی حیثیت سے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ شراب صحت کے لئے مضر ہے، عقلی و ذہنی قوتوں پر بُرا اثر ڈالتی ہے، اور انسانی تمدن میں فساد پیدا کرتی ہے۔ انہی حقائق کو تسلیم کر کے امریکہ کی رائے عام اس بات کے لئے راضی ہوئی تھی کہ منع شراب کا قانون پاس کیا جائے۔ چنانچہ عوام کے ووٹ ہی سے یہ قانون پاس ہوا تھا مگر جب وہ نافذ کیا گیا تو انہی عوام نے جن کے ووٹ سے وہ پاس ہوا تھا اس کے خلاف بغاوت کی۔ بدتر سے بدتر قسم کی شرابیں ناجائز طور پر بنائیں اور پئیں۔ پہلے سے کئی گنا زیادہ شراب کا استعمال ہوا۔ جرائم میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ آخر کار انہی عوام کے ووٹوں سے وہ شراب جو حرام کی گئی تھی، حلال کر دی گئی۔ یہ حرمت کا فتویٰ حلت سے جو بدلا گیا، اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ علمی و عقلی حیثیت سے اب شراب کا استعمال مفید ثابت ہو گیا تھا۔ بلکہ صرف یہ

وجہ تھی کہ عوام اپنی جاہلانہ خواہشات کے بندے بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی حاکمیت اپنے نفس کے شیطان کی طرف منتقل کردی تھی۔ اپنی خواہش کو اپنا الٰہ بنا لیا تھا، اور اس الٰہ کی بندگی میں وہ اُس قانون کو بدلنے پہ مصر تھے جسے انہوں نے خود ہی علمی اور عقلی حیثیت سے صحیح تسلیم کرکے پاس کیا تھا۔ اس قسم کے اور بہت سے تجربات ہیں جن سے یہ بات روشن ہوجاتی ہے کہ انسان خود اپنا واضع قانون (LEGISLATOR) بننے کی پوری اہلیت نہیں رکھتا۔ اگر اُس کو دوسرے الٰہوں کی بندگی سے رہائی مل بھی جائے تو وہ اپنی جاہلانہ خواہشات کا بندہ بن جائے گا۔ اپنے نفس کے شیطان کو الٰہ بنالے گا۔ لہٰذا وہ اس کا محتاج ہے کہ اس کی آزادی پر خود اس کے لئے اپنے مفاد میں مناسب حدیں لگادی جائیں۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وہ قیود عائد کی ہیں جن کو اسلام کی اصطلاح میں "حدود اللہ" (DIVINE LIMITS) کہا جاتا ہے۔ یہ حدود زندگی کے ہر شعبے میں چند اصول، چند ضوابط اور چند قطعی احکام پر مشتمل ہیں جو اس شعبے کے اعتدال و توازن کو برقرار رکھنے کے لئے لگائی گئی ہیں۔ ان کا منشا یہ ہے کہ یہ تمہاری آزادی کی آخری حدیں ہیں۔ ان کے اندر رہ کر تم اپنے برتاؤ کے لئے ضمنی اور فروعی قاعدے (REGULATIONS) بنا سکتے ہو۔ مگر ان حدود سے تجاوز کرنے کی تمہیں اجازت نہیں ہے۔ ان سے تجاوز کروگے تو تمہاری اپنی زندگی کا نظام فاسد و مختل ہوجائیگا۔

حدود اللہ کا مقصد | مثال کے طور پر انسان کی معاشی زندگی کو لیجئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے شخصی ملکیت کا حق، زکوٰۃ کی فرضیت، سود کی حرمت، جوئے اور سٹے کی ممانعت، وراثت کا قانون، اور دولت کمانے جمع کرنے اور خرچ کرنے پر پابندیاں عائد کرکے چند سرحدی نشانات لگادیئے ہیں۔ اگر انسان ان نشانات کو برقرار رکھے اور ان کے اندر رہ کر اپنے معاشی معاملات کی تنظیم کرے تو ایک طرف شخصی آزادی (PERSONAL LIBERTY) بھی محفوظ رہتی ہے اور دوسری طرف طبقاتی جنگ (CLASS WAR) اور ایک طبقہ پر دوسرے طبقہ کے تسلط کی وہ حالت بھی پیدا نہیں ہوسکتی جو ظالمانہ سرمایہ داری سے شروع ہوکر مزدوروں کی ڈکٹیٹرشپ پر منتہی ہوتی ہے

اسی طرح عائلی زندگی (FAMILY LIFE) میں اللہ نے حجاب شرعی، مرد کی قوامیت، شوہر بیوی اور

بچوں کے حقوق و فرائض، طلاق اور خلع کے احکام، تعدد ازدواج کی مشروط اجازت، زنا اور قذف کی سزائیں مقرر کر کے ایسی حدیں کھڑی کر دی ہیں کہ اگر انسان ان کی ٹھیک ٹھیک نگہداشت کرے اور ان کے اندر رہ کر اپنی خانگی زندگی کو مضبوط کرے تو نہ گھر ظلم و ستم کی دوزخ بن سکتے ہیں، اور نہ انہی گھروں سے عورتوں کی شیطانی آزادی کا وہ طوفان اٹھ سکتا ہے جو آج پوری انسانی تہذیب کو غارت کر دینے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔

اسی طرح انسانی تمدن و معاشرت کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے قصاص کا قانون، چوری کے لئے ہاتھ کاٹنے کی سزا، شراب کی حرمت، جسمانی ستر کے حدود اور ایسے ہی چند مستقل قاعدے مقرر کر کے فساد کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے ہیں۔

میرے لئے اتنا موقع نہیں ہے کہ میں حدود اللہ کی ایک مکمل فہرست آپ کے سامنے پیش کر کے تفصیل کے ساتھ بتاؤں کہ انسانی زندگی میں توازن و اعتدال قائم کرنے کے لئے ان میں سے ایک ایک حد کس قدر ضروری ہے۔ یہاں میں صرف یہ بات آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ سے ایک ایسا مستقل، ناقابلِ تغیر و تبدل دستور (CONSTITUTION) بنا کر انسان کو دے دیا ہے جو اس کی روح کی آزادی کو سلب اور اس کی عقل و فکر کو معطل نہیں کرتا، بلکہ اس کے لئے ایک صاف واضح اور سیدھا راستہ مقرر کر دیتا ہے تاکہ وہ اپنی جہالت اور اپنی کمزوریوں کے سبب سے تباہی کی بھول بھلیوں میں بھٹک نہ جائے اور اس کی قوتیں غلط راستوں میں ضائع نہ ہوں، اور وہ اپنی حقیقی فلاح و ترقی کی راہ پر سیدھا بڑھتا چلا جائے۔ اگر آپ کو کسی پہاڑی مقام پر جانے کا اتفاق ہوا ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ پیچ پیچ پہاڑی راستوں میں، جن کے ایک طرف عمیق غار اور دوسری طرف بلند چٹانیں ہوتی ہیں سڑک کے کناروں کو ایسی رکاوٹوں سے محفوظ کر دیا جاتا ہے کہ مسافر غلطی سے کھڈ کی طرف نہ چلا جائے۔ کیا ان رکاوٹوں کا مقصد راہ روکی آزادی کو سلب کرنا ہے؟ نہیں۔ دراصل ان سے مقصد یہ ہے کہ اس کو ہلاکت سے محفوظ رکھا جائے اور ہر پیچ، ہر موڑ اور ہر امکانی

خطرہ کے موقع پر اسے بتا یا جائے کہ یہ راستہ اُدھر نہیں اِدھر ہے، تجھے اُس رخ پر نہیں اس رخ پہ مڑنا چاہئے تاکہ تو بسلامت اپنی منزل مقصود پہ پہنچ سکے۔ بس یہی مقصد اُن حدوں کا بھی ہے جو خدا نے اپنے دستور میں مقرر کی ہیں۔ یہ حدیں انسان کے لئے زندگی کے سفر کا صحیح رخ معیّن کرتی ہیں اور ہر پیچ مقام، ہر موڑ اور ہر دوراہے پر اسے بتاتی ہیں کہ سلامتی کا راستہ اس طرف ہے، تجھے اُن سمتوں پر نہیں بلکہ اس سمت پر پیشقدمی کرنی چاہئیے۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں خدا کا مقرر کیا ہوا یہ دستور ناقابل تغیر و تبدل ہے۔ آپ اگر چاہیں تو ٹرکی اور ایران کی طرح اس دستور کے خلاف بغاوت کر سکتے ہیں۔ مگر اس کو بدل نہیں سکتے۔ یہ قیامت تک کے لئے اٹل دستور ہے۔ اسلامی اسٹیٹ جب بنے گا اسی دستور کے ساتھ بنے گا جب تک قرآن اور سنت رسولؐ دنیا میں باقی ہے، اس دستور کی ایک دفعہ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹائی جا سکتی۔ جس کو مسلمان رہنا ہو وہ اس کی پابندی پر مجبور ہے۔

اسلامی اسٹیٹ کا مقصد اس دستور کی حدود کے اندر جو اسٹیٹ بنے، اس کیلئے ایک مقصد بھی خدا نے معین کر دیا ہے، اور اس کی تشریح قرآن میں متعدد مقامات پہ کی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا:۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید - ۳)	ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایتوں کیساتھ بھیجا اور انکے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں زبردست طاقت ہے اور لوگوں کے لئے فائدے ہیں۔

اس آیت میں لوہے سے مراد سیاسی قوت ہے۔ اور رسولوں کا کام یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی واضح ہدایات اور اپنی کتاب آئین میں جو میزان اُن کو دی ہے یعنی جس ٹھیک ٹھیک متوازن (WELL BALANCED) نظام زندگی کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی ہے، اسکے مطابق اجتماعی عدل (SOCIAL JUSTICE) قائم کریں۔ دوسری جگہ فرمایا:۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (الحج - ٦)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں تمکن و حکومت عطا کریں گے تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے روکیں گے۔

ایک اور جگہ فرمایا:۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ (آل عمران - ١٢)

تم وہ بہترین جماعت ہو جسے نوع انسانی کیلئے نکالا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ان آیات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن جس اسٹیٹ کا تخیل پیش کر رہا ہے اس کا مقصد محض سلبی (NEGATIVE) نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایجابی (POSITIVE) مقصد اپنے سامنے رکھتا ہے اس کا مدعا صرف یہی نہیں ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے روکے، ان کی آزادی کی حفاظت کرے اور مملکت کو بیرونی حملوں سے بچائے۔ بلکہ اس کا مدعا اجتماعی عدل کے اُس متوازن نظام کو رائج کرنا ہے جو خدا کی کتاب پیش کرتی ہے۔ اس کا مقصد بدی کی اُن تمام شکلوں کو مٹانا اور نیکی کی اُن تمام صورتوں کو قائم کرنا ہے جن کو خدا نے اپنی واضح ہدایات میں بیان کیا ہے۔ اس کام میں حسب موقع و محل سیاسی طاقت بھی استعمال کی جائے گی، تبلیغ و تلقین سے بھی کام لیا جائے گا، تعلیم و تربیت کے ذرائع بھی کام میں لائے جائیں گے، اور جماعتی اثر اور رائے عام کے دباؤ کو بھی استعمال کیا جائے گا۔

ہمہ گیر اسٹیٹ | اس نوعیت کا اسٹیٹ، ظاہر ہے کہ اپنے عمل کے دائرے کو محدود نہیں کر سکتا۔ یہ ہمہ گیر اور کلّی اسٹیٹ ہے۔ اس کا دائرۂ عمل پوری انسانی زندگی پر محیط ہے۔ یہ تمدن کے ہر شعبے کو اپنے مخصوص اخلاقی نظریہ اور اصلاحی پروگرام کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں کوئی شخص اپنے کسی معاملہ کو پرائیویٹ اور شخصی (PERSONAL) نہیں کہہ سکتا۔ اس لحاظ سے یہ اسٹیٹ فاشستی اور اشترا کی

حکومتوں سے یک گونہ مماثلت رکھتا ہے بلکہ آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ اس کلّیت کے باوجود اس میں موجودہ زمانہ کی کلّی (TOTALITARIAN) اور استبدادی (AUTHORITARIAN) حکومتوں کا سارنگ نہیں ہے، اس میں شخصی آزادی سلب نہیں کی جاتی اور نہ اس میں آمریت (DICTATORSHIP) پائی جاتی ہے اس معاملہ میں جو کمال درجہ کا اعتدال اسلامی نظام حکومت میں قائم کیا گیا ہے، اور حق و باطل کے درمیان جیسی نازک اور باریک سرحدیں قائم کی گئی ہیں، انہیں دیکھ کر ایک صاحب بصیرت آدمی کا دل بے اختیار گواہی دینے لگتا ہے کہ ایسا متوازن نظام حقیقت میں خدائے حکیم و خبیر ہی وضع کر سکتا ہے۔

جماعتی اور مسلکی اسٹیٹ | دوسری بات جو اسلامی اسٹیٹ کے دستور اور اس کے مقصد اور اس کی اصلاحی نوعیت پر غور کرنے سے خود بخود واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ایسے اسٹیٹ کو صرف وہی لوگ چلا سکتے ہیں جو اس کے دستور پر ایمان رکھتے ہوں، جنہوں نے اس کے مقصد کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہو اور جو اس کے اصلاحی پروگرام سے نہ صرف پوری طرح متفق ہوں، نہ صرف اس میں کامل عقیدہ رکھتے ہوں، بلکہ اس کی اسپرٹ کو اچھی طرح سمجھتے بھی ہوں اور اس کی تفصیلات سے واقف بھی ہوں۔ اسلام نے اس باب میں کوئی نسلی، جغرافی، لونی یا لسانی قید نہیں رکھی ہے۔ وہ تمام انسانوں کے سامنے اپنے دستور، اپنے مقصد اور اپنے اصلاحی پروگرام کو پیش کرتا ہے۔ جو شخص بھی اسے قبول کر لے، خواہ وہ کسی نسل، کسی ملک اور کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو، وہ اُس جماعت میں شریک ہو سکتا ہے جو اس اسٹیٹ کو چلانے کے لئے بنائی گئی ہے۔ مگر جو اسے قبول نہ کرے اُسے اسٹیٹ کے کام میں دخیل نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اسٹیٹ کے حدود میں ذمّی (SUBJECT) کی حیثیت سے رہ سکتا ہے۔ اس کے لئے اسلام کے قانون میں معیّن حقوق اور مراعات موجود ہیں۔ اس کی جان و مال اور عزت کی پوری حفاظت کی جائے گی، اور اگر وہ کسی خدمت کا اہل ہو گا تو اس سے خدمت بھی لی جائے گی، لیکن بہرحال اس کو حکومت میں شریک کی حیثیت نہیں دی جائے گی، کیونکہ یہ ایک خاص مسلک رکھنے والی پارٹی کا اسٹیٹ ہے۔ یہاں بھی اسلامی اسٹیٹ اور کمیونسٹ اسٹیٹ میں یک گونہ مماثلت پائی جاتی ہے لیکن دوسرے

مسلکوں پر اعتقاد رکھنے والوں کے ساتھ جو برتاؤ اشتراکی جماعت کا اسٹیٹ کرتا ہے اس کو اس برتاؤ سے کوئی نسبت نہیں جو اسلامی جماعت کا اسٹیٹ کرتا ہے۔ اسلام میں وہ صورت نہیں ہے جو کمیونسٹ حکومت میں ہے کہ غلبہ و اقتدار حاصل کرتے ہی اپنے تمدنی اصولوں کو دوسروں پر بجبر مسلط کر دیا جائے، جائداد یں ضبط کی جائیں، قتل وخون کا بازار گرم ہو، اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو پکڑ کر زمین کے جہنم، سائبیریا کی طرف پھینک کر دیا جائے۔ اسلام نے غیر مسلموں کے لئے جو فیاضانہ برتاؤ اپنے اسٹیٹ میں اختیار کیا ہے، اور اس بارے میں عدل و ظلم اور راستی و ناراستی کے درمیان جو باریک خط امتیاز کھینچا ہے اسے دیکھ کر ہر انصاف پسند آدمی بیک نظر معلوم کر سکتا ہے کہ خدا کی طرف سے جو مصلح آتے ہیں وہ کس طرح کام کرتے ہیں، اور زمین میں جو مصنوعی اور جعلی مصلحین اٹھ کھڑے ہوتے ہیں ان کا طریق کار کیا ہے۔

نظریۂ خلافت | اب میں آپ کے سامنے اسلامی اسٹیٹ کی ترکیب اور اس کے طرز تعمیر کی تھوڑی سی تشریح کروں گا۔ یہ بات میں آپ سے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اسلام میں اصلی حاکم خداوند تعالیٰ ہے۔ اس اصل الاصول کو پیش نظر رکھ کر جب آپ اس سوال پر غور کریں گے کہ زمین میں جو لوگ خدا کے قانون کو نافذ کرنے کے لئے اٹھیں ان کی حیثیت کیا ہونی چاہئے، تو آپ کا ذہن خود بخود پکارے گا کہ وہ اصلی حاکم کے نائب قرار پانے چاہئیں، ٹھیک ٹھیک یہی حیثیت اسلام نے بھی ان کو دی ہے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ (النور - ۷)	اللہ نے وعدہ کیا ہے اُن لوگوں کیساتھ جو تم میں سے ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ ان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا، اُسی طرح جس طرح اُن سے پہلے اس نے دوسروں کو خلیفہ بنایا تھا۔

یہ آیت اسلام کے نظریۂ ریاست (THEORY OF STATE) پر نہایت صاف روشنی ڈالتی ہے اس میں دو بنیادی نکات بیان کئے گئے ہیں:۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ اسلام حاکمیت (SOVEREIGNTY) کے بجائے خلافت (VICEREGENCY) کی اصطلاح استعمال کرتا ہے چونکہ اس کے نظریہ کے مطابق حاکمیت خدا کی ہے لہٰذا جو کوئی اسلامی دستور کے تحت زمین پر حکمران ہو اسے لامحالہ حاکم اعلیٰ کا خلیفہ (VICEREGENT) ہونا چاہیئے جو محض تفویض کردہ اختیارات (DELEGATED POWERS) استعمال کرنے کا مجاز ہوگا۔

دوسری قابل غور بات اس آیت میں یہ ہے کہ خلیفہ بنانے کا وعدہ تمام مومنوں سے کیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ بناؤں گا، بلکہ یہ کہا کہ ان کو خلیفہ بناؤں گا۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ سب مومن خلافت کے حامل ہیں۔ خدا کی طرف سے جو خلافت مومنوں کو عطا ہوئی ہے وہ عمومی خلافت {POPULAR VICEREGENCY} ہے۔ کسی شخص یا خاندان یا نسل یا طبقہ کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ ہر ہر مومن اپنی جگہ خدا کا خلیفہ ہے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے فرداً فرداً ہر ایک خدا کے سامنے جواب دہ ہے (کلکم راع وکل راع مسئول عن رعیتہ[1]) اور ایک خلیفہ دوسرے خلیفہ کے مقابلہ میں کسی حیثیت سے فروتر نہیں ہے۔

اسلامی جمہوریت کی حیثیت | یہ ہے اسلام میں ڈیموکریسی کی اصلی بنیاد۔ عمومی خلافت کے اس تصوّر کا تجزیہ کرنے سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں:۔

(۱) ایسی سوسائٹی جس میں ہر شخص خلیفہ ہو اور خلافت میں برابر کا شریک ہو، طبقات کی تقسیم اور پیدائشی یا معاشرتی امتیازات کو اپنے اندر راہ نہیں دے سکتی۔ اس میں تمام افراد مساوی الحیثیت اور مساوی المرتبہ ہونگے فضیلت جو کچھ بھی ہوگی شخصی قابلیت اور سیرت کے اعتبار سے ہوگی۔ یہی بات ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار بتصریح بیان فرمایا ہے :-

لیس لاحد فضل علی احد الا بالدین والتقوی الناس کلھم بنو آدم و آدم — کسی کو کسی پر فضیلت نہیں اگر ہے تو دین کے علم و عمل اور تقویٰ کے اعتبار سے ہے سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور

---

[1] مشہور حدیث ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر راعی خدا کے سامنے اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔

من تراب ۔ — آدم مٹی سے بنے تھے ۔

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لابیض علی اسود ولا لاسود علی ابیض الا بالتقویٰ ۔

نہ کسی عرب کو عجمی پر فضیلت ہے، نہ عجمی کو عرب پر، نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر فضیلت ہے تو تقویٰ کی بنا پر ہے ۔

فتح مکہ کے بعد جب تمام عرب اسلامی اسٹیٹ کے دائرے میں آ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے خاندان کو جو عرب میں برہمنوں کی سی حیثیت رکھتے تھے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا الآباء ایھا الناس کلکم من آدم وآدم من تراب لا فخر للانساب ۔ لا فخر للعربی علی العجمی ولا للعجمی علی العربی ۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۔

قریش والو! اللہ نے تمہاری جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا کی بزرگی کے ناز کو دور کر دیا ۔ لوگو! تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے نسب کا فخر ہیچ ہے ۔ عرب کو عجمی پر اور عجمی کو عرب پر کوئی فخر نہیں ۔ تم میں بزرگ وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے ۔

(٢) ایسی سوسائٹی میں کسی فرد، یا افراد کے کسی گروہ کے لئے اس کی پیدائش یا اس کے معاشرتی مرتبے (SOCIAL STATUS) یا اسکے پیشے کے اعتبار سے اس قسم کی رکاوٹیں (DISABILITIES) نہیں ہو سکتیں جو اس کی ذاتی قابلیتوں کے نشوونما اور اس کی شخصیت کے ارتقاء میں کسی طرح بھی مانع ہوں ۔ اس کو سوسائٹی کے تمام دوسرے افراد کی طرح ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہونے چاہئیں ۔ اس کے لئے راستہ کھلا ہوا ہونا چاہئے کہ اپنی قوت و استعداد کے لحاظ سے جہاں تک بڑھ سکتا ہے بڑھتا چلا جائے بغیر اس کے کہ دوسروں کے اسی طور سے بڑھنے میں مانع ہو ۔ یہ چیز اسلام میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے ۔ غلام اور غلام زادے فوجوں کے افسر اور صوبوں کے گورنر بنائے گئے اور بڑے بڑے اونچے گھرانوں کے شیوخ نے ان کی ماتحتی کی ۔ چار جونیاں

گانٹھنے گانٹھنے اُٹھے اور امامت کی مسند پر بیٹھ گئے۔ جولاہے اور بزاز مفتی اور قاضی اور فقیہ بنے اور آج ان کے نام اسلام کے بزرگوں کی فہرست میں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اسمعوا و اطیعوا ولو استعمل علیکم عبد حبشی۔ سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارا سردار ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ بنا دیا جائے۔

(۳) ایسی سوسائٹی میں کسی شخص یا کسی گروہ (GROUP) کی ڈکٹیٹرشپ کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ یہاں ہر شخص خلیفہ ہے کسی شخص یا گروہ کو حق نہیں کہ عام مسلمانوں سے ان کی خلافت کو سلب کر کے خود حاکم مطلق بن جائے۔ یہاں جو شخص حکمران بنایا جاتا ہے اس کی اصلی حیثیت یہ ہے کہ تمام مسلمان، یا اصطلاحی الفاظ میں، تمام خلفاء اپنی رضامندی سے اپنی خلافت کو انتظامی اغراض کے لئے اس کی ذات میں مرکوز کر دیتے ہیں۔ وہ ایک طرف خدا کے سامنے جوابدہ ہے اور دوسری طرف اُن عام خلفاء کے سامنے جنہوں نے اپنی خلافت اس کو تفویض کی ہے۔ اب اگر وہ غیر ذمہ دار مطاع مطلق، یعنی ڈکٹیٹر بنتا ہے تو خلیفہ کے بجائے غاصب کی حیثیت اختیار کرتا ہے۔ کیونکہ ڈکٹیٹرشپ دراصل عمومی خلافت کی نفی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلامی اسٹیٹ ایک کلی اسٹیٹ ہے اور زندگی کے تمام شعبوں پر اس کا دائرہ وسیع ہے، مگر اس کلیت اور ہمہ گیری کی بنیاد یہ ہے کہ خدا کا وہ قانون ہمہ گیر ہے جسے اسلامی حکمران کو نافذ کرنا ہے۔ خدا نے زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق جو ہدایات دی ہیں وہ یقیناً پوری ہمہ گیری کے ساتھ نافذ کی جائیں گی مگر ان ہدایات سے ہٹ کر اسلامی حکمران خود (REGIMENTATION) کی پالیسی اختیار نہیں کر سکتا۔ وہ لوگوں کو مجبور نہیں کر سکتا کہ فلاں پیشہ کریں اور فلاں پیشہ نہ کریں۔ فلاں فن سیکھیں اور فلاں نہ سیکھیں۔ اپنے بچوں کو فلاں قسم کی تعلیم دلوائیں اور فلاں قسم کی نہ دلوائیں جو اختیارات روس اور جرمنی اور اٹلی میں ڈکٹیٹروں نے اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں، یا جن کو اتاترک نے ترکی میں استعمال کیا، اسلام نے وہ اختیارات امیر کو عطا نہیں کئے۔ علاوہ بریں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ اسلام میں ہر ہر فرد شخصی طور پر خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔ یہ شخصی جوابدہی (PERSONAL RESPONSIBILITY) ایسی ہے جس میں کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ شریک نہیں۔ لہٰذا اس کو قانون کی حدود کے اندر پوری طرح آزاد ہونا

چاہیے کہ اپنے لئے جو راستہ چاہے اختیار کرے، اور جدھر اس کا میلان ہو، اپنی قوتوں کو اسی طرف بڑھنے کے لئے استعمال کرے۔ اگر امیر اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالے گا اور اس کی شخصیت کے نشو ونما میں حائل ہوگا تو وہ خود اس ظلم کے لئے اللہ کے ہاں پکڑا جائے گا یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے خلفاء راشدین کی حکومت میں (REGIMENTATION) کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔

(۴) ایسی سوسائٹی میں ہر عاقل و بالغ مسلمان کو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، رائے دہی کا حق حاصل ہونا چاہیئے اس لئے کہ وہ خلافت کا حامل ہے۔ خدا نے اس خلافت کو کسی خاص معیار لیاقت یا کسی خاص معیار ثروت سے مشروط نہیں کیا ہے بلکہ صرف ایمان و عمل صالح سے مشروط کیا ہے۔ لہٰذا رائے دہی میں ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ مساوی حیثیت رکھتا ہے۔

انفرادیت اور اجتماعیت کا توازن ایک طرف اسلام نے یہ کمال درجہ کی جمہوریت قائم کی ہے۔ دوسری طرف اس نے ایسی انفرادیت (INDIVIDUALISM) کا سد باب کر دیا ہے جو اجتماعیت (SOCIALISM) کی نفی کرتی ہو۔ یہاں فرد اور جماعت کا تعلق اس طرح قائم کیا گیا ہے کہ نہ فرد کی شخصیت جماعت میں گم ہو جائے جس طرح کمیونزم اور فاشزم کے نظام اجتماعی میں ہو جاتی ہے، اور نہ فرد اپنی حد سے اتنا بڑھ جائے کہ جماعت کے لئے نقصان دہ ہو، جیسا کہ مغربی جمہوریتوں کا حال ہے۔ اسلام میں فرد کا مقصد حیات وہی ہے جو جماعت کا مقصد حیات ہے، یعنی قانون الٰہی کا نفاذ اور رضائے الٰہی کا حصول۔ مزید برآں اسلام میں فرد کے حقوق پوری طرح محفوظ کرنے کے بعد اس پر جماعت کے لئے مخصوص فرائض بھی عائد کر دیئے گئے ہیں اس طرح انفرادیت اور اجتماعیت میں ایسی موافقت (HARMONY) پیدا ہو گئی ہے کہ فرد کو اپنی قوتوں کے نشو ونما کا پورا موقع بھی ملتا ہے، اور پھر وہ اپنی ان ترقی یافتہ قوتوں کے ساتھ اجتماعی فلاح و بہبود میں مدد گار بھی بنتا ہے۔ یہ ایک مستقل بحث ہے جس پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کا یہاں موقع نہیں۔ اس کی طرف اشارہ کرنے سے میرا مقصد صرف ان غلط فہمیوں کا سد باب کرنا تھا جو اسلامی جمہوریت کی مذکورہ بالا تشریح سے پیدا ہو سکتی تھیں۔

اسلامی اسٹیٹ کی ہیئت ترکیبی | خلافت عمومی کے تصور کا جو تجزیہ میں نے کیا ہے اس کو نظر میں رکھنے کے بعد آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اسلامی اسٹیٹ میں امام یا امیر یا صدر حکومت کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ عام مسلمانوں کو جو خلافت حاصل ہے، اُس کے اختیارات وہ اپنے میں سے ایک بہترین شخص کا انتخاب کر کے امانت کے طور پر اس کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اُس کے لئے "خلیفہ" کا جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس وہی اکیلا خلیفہ ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی خلافت اس کی ذات میں مرتکز (CONCENTRATE) ہو گئی ہے۔

اب میں مختصر طور پر اس طرز حکومت کی چند خاص خاص تفصیلات بیان کروں گا تاکہ اس کا ایک واضح خاکہ آپ کے سامنے آ جائے۔

(۱) امیر کا انتخاب ان اکرمکم عند اللہ اتقکم کے اصول پر ہوگا یعنی عام مسلمان جس کے کیرکٹر پر پوری طرح اعتماد رکھتے ہوں وہی اس منصب کے لئے چنا جائے گا۔ اور جب وہ چن لیا جائے گا تو اس کو سیاہ و سپید کے اختیارات ہوں گے۔ اس پر پورا بھروسہ کیا جائے گا جب تک وہ خدا اور رسولؐ کے قانون کی پیروی کرے گا اس کی کامل اطاعت کی جائے گی۔

(۲) امیر تنقید سے بالاتر نہ ہوگا۔ ہر عامی مسلمان اسکے پبلک کاموں ہی پر نہیں بلکہ پرائیویٹ زندگی پر بھی نکتہ چینی کرنے کا مجاز ہوگا۔ وہ قابل عزل ہوگا۔ قانون کی نگاہ میں اس کی حیثیت عام شہریوں کے برابر ہوگی۔ اس کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کیا جا سکے گا، اور وہ عدالت میں کسی امتیازی برتاؤ کا مستحق نہ ہوگا۔

(۳) امیر کو مشورے کے ساتھ کام کرنا ہوگا مجلس شوریٰ ایسی ہوگی جسے عام مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہو۔ اس امر میں بھی کوئی شرعی مانع نہیں ہے کہ اس مجلس کو مسلمانوں کے ووٹوں سے منتخب کیا جائے، اگرچہ اس کی مثال خلافت راشدہ میں نہیں ملتی۔

(۴) عموماً مجلس کے فیصلے کثرت رائے سے ہوں گے مگر اسلام تعداد کی کثرت کو حق کا معیار تسلیم نہیں کرتا۔

قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث۔ اسلام کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایک اکیلے شخص کی رائے پوری مجلس کی رائے کے مقابلہ میں برحق ہو۔ اور اگر ایسا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ حق کو اس لئے چھوڑ دیا جائے کہ اس کی طرف قلت ہے اور باطل کو اس لئے اختیار کیا جائے کہ ایک جم غفیر اس کی تائید میں ہے۔ لہٰذا امیر کو حق ہے کہ اکثریت کے ساتھ اتفاق کرے یا اقلیت کے ساتھ۔ اور امیر کو یہ بھی حق ہے کہ پوری مجلس سے اختلاف کر کے اپنی رائے پر فیصلہ کرے۔ مگر ہر صورت میں عامۂ مسلمین اس بات پہ نظر رکھیں گے کہ امیر اپنے ان وسیع اختیارات کو تقوی اور خوفِ خدا کے ساتھ استعمال کرتا ہے، یا نفسانیت کے ساتھ بصورت دیگر رائے عام اس امیر کو مسند امارت سے نیچے بھی اتار لاسکتی ہے۔

(۵) امارت، یا مجلس شوریٰ کی رکنیت یا کسی ذمہ داری کے منصب کے لئے کوئی ایسا شخص منتخب نہ کیا جائیگا جو خود اس کا امیدوار ہو یا کسی طور پر اس کے لئے کوشش کرے۔ اسلام میں امیدواری (CANDIDATURE) اور انتخابی پروپیگنڈا کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف ہدایت ہے کہ امیدوار کو کوئی منصب نہ دیا جائے۔ اسلامی ذہنیت اس بات کے خیال تک سے نفرت کرتی ہے کہ ایک منصب کے لئے دو نہیں، چار امیدوار کھڑے ہوں، ایک دوسرے کے خلاف پوسٹر بازی، جلسہ بازی اور اخباری پروپیگنڈا کریں، ووٹروں کو طرح طرح سے بیوقوف بنائیں، کھانوں کی دیگیں چڑھائی جائیں، موٹریں دوڑیں، اور ان میں سے وہ امیدوار بازی لے جائے جو جھوٹ، فریب اور زر پاشی میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔ یہ شیطانی ڈیموکریسی کے ملعون طریقے ہیں جن کا عشرِ عشیر بھی اسلامی حکومت میں برسرِ کار آئے تو خلافت کی مجلس شوریٰ میں منتخب ہو کر جانا تو درکنار، ایسے لوگوں کو قاضی کی عدالت میں پیش کر کے سزا دلوادی جائے۔

(۶) اسلامی مجلس شوریٰ میں پارٹی بندی نہیں ہوسکتی۔ فرد فرد علیحدہ ہو گا اور حق کے مطابق رائے دیگا۔ اسلام میں اس کا موقع نہیں کہ آپ ہر حال میں اپنی پارٹی کے ساتھ رہیں خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر۔ بلکہ اسلامی سپرٹ کا تقاضا یہ ہے کہ آج کسی کی رائے کو آپ حق پہ پائیں تو اس کا ساتھ دیں، اور کل کسی دوسرے مسئلے میں اگر اسی شخص

کی رائے آپ کے نزدیک خلافِ حق ہو تو اس سے اختلاف کر دیں۔

(۷) اسلام میں عدالت کے شعبہ کو انتظامی شعبہ کے اثر سے کلیتہً آزاد رکھا گیا ہے۔ قاضی کا کام خدا کے قانون کو اس کے بندوں پر نافذ کرنا ہے۔ وہ عدالت کی کرسی پر امیر یا خلیفہ کے نائب کی حیثیت سے نہیں بلکہ اللہ عزوجل کے نائب کی حیثیت سے بیٹھتا ہے۔ لہٰذا عدالت میں اس کے سامنے خود خلیفہ کی بھی کوئی وقعت نہیں کسی کو اپنی شخصیت یا اپنے خاندان یا اپنے عہدے کی وجہ سے یہ حق حاصل نہیں کہ قاضی کے سامنے حاضر ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ ایک ادنیٰ مزدور، ایک غریب کاشتکار، ایک فقیر بے نوا بھی اس کا حق رکھتا ہے کہ بڑے سے بڑے شخص، حتیٰ کہ خود خلیفہ کے خلاف قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دے۔ اور قاضی کو پورے اختیارات حاصل ہیں کہ اگر مدعی کا حق ثابت ہو جائے تو خدا کا قانون خلیفہ پر بھی ٹھیک اسی طرح نافذ کر دے جس طرح ایک عام مسلمان پر کرتا ہے۔ اسی طرح اگر خود خلیفہ کو اپنی ذاتی حیثیت میں کسی کے خلاف شکایت ہو تو وہ اپنے حاکمانہ اختیارات استعمال کر کے خود اس شکایت کو رفع کرنے کا حق نہیں رکھتا بلکہ از روئے آئین وہ مجبور ہے کہ ایک عام شہری کی طرح عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے۔

اس مختصر خطبہ میں میرے لئے موقع نہیں کہ اسلامی اسٹیٹ کی تفصیلی صورت آپ کے سامنے پیش کر سکوں۔ اس کی اسپرٹ اور اس کے طرزِ کارروائی کو پوری طرح سمجھنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے دورِ حکومت کی نظیریں پیش کرنا ضروری ہے، اور اس کی گنجائش یہاں نہیں ہے تاہم مجھے توقع ہے کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ اسلامی طرزِ حکومت کا ایک واضح تصور پیش کرنے کے لئے کافی ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ۔

۷۸۰

اعلان

یہ رسالہ (اسلام کا نظریۂ سیاسی) جو آپ کے ہاتھ میں ہے ہر اُردو لکھے پڑھے مسلمان و غیر مسلمان کے پاس پہنچنا چاہیے تاکہ اپنوں پرایوں سب کو معلوم ہو کہ اسلام کس قسم کی حکومت چاہتا ہے اور اس حکومت کے قائم کرنے سے اُس کا مقصد کیا ہے۔

جو حضرات از راہِ خیر اس رسالہ کو مفت تقسیم کرنا چاہیں اُن کے لیے ذیل کی قیمتیں مقرر کر دی گئی ہیں۔ امید ہے کہ اہلِ خیر ان خیالات کو جو اس رسالہ میں درج کیے گئے ہیں عوام تک پھیلانے کی کوشش کریں گے۔

قیمت پانچ نسخہ	معہ محصول ڈاک	دس آنے
قیمت پچیس نسخہ	" "	۳ روپے
قیمت پچاس نسخہ	" "	[illegible]
قیمت ایک سو نسخہ	" "	عـ۱۰ روپے

نوٹ:- اس مضمون کا انگریزی ترجمہ بھی مندرجہ بالا قیمتوں پر مل سکتا ہے۔

ملنے کا پتہ:-

دفتر رسالہ ترجمان القرآن لاہور

سلامتی کا راستہ

یہ مولنا سید ابو الاعلیٰ مودودی کا ایک خطبہ ہے جو ہر اُردو دان ہندوستانی کے پاس پہنچنا چاہیے تاکہ ہر شخص کو معلوم ہو کہ اُس کا خدا کے ساتھ حقیقی تعلق کیا ہے۔ اس سطحِ ارضی پر اُس کے فرائض کیا ہیں۔ حقیقی انسانیت کیا ہے۔ انسانیت کا حقیقی مرتبہ کیا ہے۔ اور جزا اسزا کی فلاسفی کیا ہے۔ آپ اگر ان مسائل کو مختصراً سمجھنا چاہتے ہیں تو اس خطبہ کا مطالعہ کیجیے۔

جو حضرات اسے مفت تقسیم کرنا چاہیں اُن کے لیے ذیل کی قیمتیں مقرر ہیں

قیمت پانچ نسخہ	معہ محصول ڈاک	آٹھ آنے
قیمت پچیس نسخہ	" " "	۲؎
قیمت پچاس نسخہ	" " "	للعہ روپے
قیمت ایک سو نسخہ	" " "	؏عہ

ملنے کا پتہ:-

دفتر رسالہ ترجمان القرآن لاہور